ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی نبی اور رسول آواز دے رہا ہے اور یہ شبہ ہوتا ہے کہ نائب رسول کی آواز ہے، یہ یاد رکھئے کہ یہ مولانا کے آخری دور کی آواز ہے جس سے آپ اندازہ کرسکتے ہیں کہ مولانا سیاست کے اندر جانے کے باوجود اپنی عالمانہ شان، وقار کو محفوظ رکھے ہوئے ہیں، اور ذرا بھی آپ کے اصلاحی جذبے میں فرق نہیں آیا ہے۔

ان سب کے علاوہ مولانا آزاد کی تفسیر ترجمان القرآن اپنے وقت کی مفید اور بے نظیر تفسیر ہے جس میں عقل و نقل کی پُر احتیاط آمیزش ہے، اور ایسی بحثیں کی ہیں، اور اس وسیع النظری کا مظاہرہ کیا ہے کہ بعض مسائل میں ابن تیمیہؒ اور ابن قیمؒ وغیرہ بھی پیچھے رہ گئے ہیں۔ غیر اسلامی علوم اور الحادی فلسفہ کی ایسی پُرزور تنقید کی ہے کہ گویا قدامت پرست اور روایتی عالم یہ تنقید نہ لکھ رہا ہو۔ اس کے ساتھ ہی الہلال والبلاغ کے اصلاحی مضامین تبلیغی موضوعات اور عملی طور پر مختلف مواقع پر مدارس و اداروں کا قائم کرنا وغیرہ یہ سب مولانا آزادؒ کے عالم دین ہونے کی حیثیت کو بہت زیادہ نمایاں کر رہے ہیں، اس طرح مولانا بیک وقت عالم دین بھی تھے اور سیاسی مدبر بھی۔

آپ کے فیضانات کا یہ سرچشمہ جاری کا رہا اور آخر عمر تک جاری رہا ہزاروں انقلابات آئے، مگر آپ کی فیض پاشیوں میں فرق نہ آیا، علمی مشاغل اسی طرح جاری رہے یہاں تک کہ موت نے آکر ان کو ہم سے جدا کر دیا، اور ۲۲ فروری ۱۹۵۸ء کو بوقت سوا دو بجے شب وہ بہشت کے لئے ہم سے روٹھ کر چلے گئے، اور جامع مسجد دہلی اور لال قلعہ کے مابین زمین کی آغوش میں ہمیشہ کے لئے سو گئے۔

؎ آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

آہ وہ اس دنیا میں نہیں رہے، دنیا خالی ہو گئی، میکدۂ عالم اسی طرح آباد ہے، زندگی کی بزم بھی باقی ہے، مگر ساقی نہیں رہا۔ ؎

اک ترے جانے سے میخانے میں کیا باقی نہیں
زندگی کی بزم باقی ہے مگر ساقی نہیں

آج وہ اپنی تربت میں ہیں، مگر اپنی تربت سے بھی وہی سبق دے رہے ہیں، جو وہ اپنی زندگی میں دیا کرتے تھے، آج بھی ان کی تربت سے یہ آواز سنائی دے رہی ہے۔ ؎

شدیم خاک ولیکن بوئے تربت ما
تواں شناخت کزیں خاک مرد می خیزد

(نور اللہ مرقدہٗ) فقط

جاہلی شعر و ادب میں غزل کا عنصر

محمد شاہد اسلم، (ریسرچ اسکالر، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ)

جب ہم عربی ادب کی تاریخ پر نظر ڈالتے ہیں تو ہماری نظر سب سے پہلے جاہلی ادب پر پڑتی ہے، اس لئے کہ اس سے ماقبل کا ادب ہم سے مخفی ہے، اور جو کچھ ظاہر ہوا ہے وہ بھی کامل حد تک ہم تک نہیں پہونچا ہے، اسی بنا پر مشہور ناقد ابوالعلا معری نے لکھا ہے کہ "ما انتهى اليكم مما قالت العرب الا اقله ولو جاءكم وافرا لجاءكم علم وشعر كثير" یعنی تم تک عربوں کے کلام میں سے جو کچھ پہونچ سکا ہے وہ بہت تھوڑی سی مقدار میں ہے، اگر تمہارے پاس کافی مقدار میں ان کا کلام آیا ہوتا، تو تمہارے پاس علم و شعر کا خزانہ ہوتا، یہ ایک فطری اصول ہے کہ ہر دور میں نثر نگار اور شاعر پیدا ہوتے ہیں جو اپنے خیالات و احساسات کو اپنے اپنے روپ میں پیش کرتے ہیں۔ لیکن جاہلی ادب کے بارے میں مورخین کا بیان ہے کہ اس زمانہ میں اگرچہ ہر قسم کے خطیب و نثر نگار موجود تھے، لیکن ان پر شعراء کا غلبہ تھا۔ جب کسی قبیلہ میں شاعر پیدا ہوتا تو وہ خوشیاں مناتے جشن مناتے، اور

دوسرے قبائل پر فخر کرتے، اس لئے کہ وہ شاعر اپنے قبیلے کے اعمال کا کام کرتا تھا وہ شاعر اپنے متعلقات، اپنی لائف اور قوم کی زندگی کو شعر کی روپ میں پیش کرتا تھا، اسی لئے کہا جاتا ہے۔ "الشعر دیوان العرب" کہ شعر عربوں کا زندگی نامہ ہے، زندگی نامہ میں فخر و حماسہ، اور ہجو کا اگرچہ حصہ زیادہ ہے لیکن تشبیب اور اہمیت غزل ہی کو حاصل ہے، وجہ یہ ہے کہ عربوں کے یہاں شاید یہ اصول بن چکا تھا کہ وہ کسی بھی صنف پر طبع آزمائی کریں، لیکن اولیت اور ابتدا ان کی ابتدا، غزل سے ہوگی، چنانچہ وہ سب سے پہلے بلا کسی مقصد کے اپنی محبوبہ کی تعریف میں چند اشعار کہتے پھر مطلب کی بات کہتے مثلاً زہیر بن ابی سلمیٰ جو جاہلی شاعری کا نمائندہ شاعر سمجھا جاتا ہے، اس نے اپنا معلقہ جو دو بادشاہوں (ہرم بن سنان، وحارث بن عوف) کی تعریف میں کہا ہے جب ہم اس کا مطالعہ کرتے ہیں تو سب سے قبل معلقہ کی ابتدا محبوبہ کی تعریف سے کرتا ہے۔ ؎

امن ام اوفى دمنة لم تكلم　　　بحومانة الدراج فالمتثلم

ترجمہ:۔ کیا ام اوفیٰ کے رہنے کی جگہ کے یہ نشانات جو حومانۃ الدراج اور متثلم میں ہیں بولتے نہیں۔

وفيهن ملهى للطيف ومنظر　　　انيق لعين الناظر المتوسم

ترجمہ:۔ ان عورتوں میں باریک بین آدمی کے لئے دل بہلانے کے سارے انداز موجود ہیں اور صاحب نظر اور پرکھ رکھنے والے آدمی کے لئے بہت جذب انگیز نظارہ ہے۔

اس تمہید کے بعد آئیے جاہلی دور کی غزل کا جائزہ لیں، لیکن اس سے قبل غزل کی تعریف جاننا ہمارے لئے ضروری ہے۔

(غزل کی لغوی اور اصطلاحی تعریف:۔ غزل (س) غَزَلًا بالنساء۔ عورتوں سے بات کرنا، ان کی خوبصورتی اور جمال کی تعریف کرنا ان سے عشق بازی

کرنا، صاحب لسان العرب نے غزل کی تعریف یوں کی ہے ۔ محادثۃ الفتیان والفتیات ، واللھو مع النساء ومغازلتھن ۔ نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کو آپس کی بات چیت اور کھیل کود حسن و محبت کی باتیں کرنے کو غزل کہتے ہیں ، غزل کو نسیب اور تشبیب بھی کہتے ہیں۔

جاہلی دور کے اصناف شعری میں سب سے اہم اور ممتاز صنف غزل ہے۔ ان کے نزدیک عورت کا دوسرا نام غزل اور غزل کا دوسرا نام عورت ہے ، چونکہ عرب حاجت واچہ کی خاطر مکان در مکان کے چکر لگایا کرتے تھے ، اور اس خانہ بدوشی لاتعد میں مختلف قبائل کو آپس میں ملنے جلنے کے خاص مواقع میسر ہوتے تھے ، زندگی فطری بمعنی فراغت کے اوقات و جذبات و احساسات کی فراوانی میں آنکھیں چار کرنے میں ، خاص طور سے مواقع ملتے تھے ، چنانچہ تاریخ کے پنوں کو الٹ پلٹ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ اس معاشرے میں بھی دلوں کی دنیا آباد ہوتی جان غزل و مرکز غزل عورت ہوتی بلکہ یوں کہنا زیادہ صحیح ہوگا کہ عورت ان کی زندگی کی النصف الجمیل تھی ، جب تک ان کو یہ نصف زندگی حاصل نہ ہو جاتا ان کی زندگی میں بہار نہ آتی ، جاہلی ادب کے علاوہ ہر دور کے ادب میں جان و مرکز غزل کا ایوارڈ ہمیشہ سے عورت کے ہاتھ میں رہا ہے ۔

امرؤ القیس جس کو اشعر شعراء العرب کے نام سے جانا جاتا ہے اسے الملک الضلیل کا خطاب صرف عورت کی خاطر ملا ، جاہلی دور کی چیدہ شاعری جس کو ہم " المعلقات السبع " کے نام سے جانتے ہیں ، جب اس کا مطالعہ کرتے ہیں تو اول الذکر شاعر کو محبوبہ کی یاد میں رطب اللسان پاتے ہیں ، آخر ایسا کیوں ہے ؟ اس لئے ہے کہ ان کے نزدیک عورت ذات کی بڑی قدر اور اہمیت تھی وہ اپنا سب کچھ اسی کو سمجھتے تھے ، اگر زندگی میں عورت نہیں تو کچھ

بیوی ہیں، اگر عورت ہے تو دنیا کی دولت ان کے پاس ہے۔ ایک مرتبہ امرؤ القیس اپنی صحرا نوردیوں کے بعد جب اپنی معشوقہ عنیزہ کے پاس رات کی تاریکی میں گیا تو اس نے تنگ آکر کہا ؎

سباك الله انك فاضحي الست ترى السماء والناس احوالي

یعنی اللہ تجھے غارت کرے تو نے تو مجھے رسوا کر ڈالا کیا تجھے دکھائی نہیں پڑتا لوگ میرے آس پاس ابھی تک جاگ رہے ہیں۔

امرؤ القیس نے برجستہ کہا۔ ؎

يمين الله ابرح قاعداً ولو قطعوا رأسي لديك واوصالي

یعنی خدا کی قسم میں یہیں بیٹھا رہوں گا چاہے لوگ میرا سر اور ہاتھ اور پاؤں کاٹ کر تیرے سامنے ڈال دیں۔

امرؤ القیس کے معلقہ میں غزل کے یہ اشعار ملاحظہ فرمائیے۔

افاطم مهلا بعض هذا التدلل وان كنت قد ازمعت صرمي فاجملي

یعنی اے فاطمہ ذرا اپنے ناز و انداز کو کم کر دو، اور اگر تم نے جدائی کا فیصلہ کر ہی لیا ہے تو اس کو اچھے ڈھنگ سے کرو۔ ؎

اغرك مني ان حبك قاتلي وانك مهما تأمري القلب يفعل

کیا تم اس دھوکہ میں تو نہیں ہو کہ تمہاری محبت مجھے مار ڈالے گی، اور تم حکم کرو گی اسے میرا دل ضرور کرے گا۔

وانك قسمت الفؤاد فنصفه قتيل ونصف في حديد مكبل

تم نے میرے دل کے دو حصہ کر دیئے، ایک حصہ کشتہ ہو چکا ہے اور دوسرا حصہ لوہے کی زنجیروں میں جکڑا ہوا ہے۔

وان تك قد ساءتك مني خليقة فسلي ثيابي من ثيابك تنسل

اگر تم کو میری عادت بری معلوم ہو تو اپنے کپڑے مجھ سے علیحدہ کر لے تو وہ الگ ہو جائیں گے

مشہور جاہلی شاعر الصمہ بن عبداللہ القشیری کو اپنی چچا زاد بہن سے محبت تھی جب اس نے اپنے چچا سے رشتہ مانگا تو اس نے انکار کر دیا اور وصل کی کوئی صورت نظر نہ آئی تو اپنے اونٹ پر سوار ہو کر قبیلہ چھوڑ کر باہر چلا گیا، اور اس کی زبان پر یہ اشعار تھے۔

حننت الی ریا ونفسک باعدت　　　مزارک من ریا وشعباکما معا

یعنی تیرے دل میں ریا سے ملنے کا شدید اشتیاق پیدا ہوا لیکن تجھکو اس سے ملنا نصیب نہ ہو سکا۔ حالانکہ تم دونوں کے قبیلے ایک ساتھ ہی رہ رہے تھے۔

تلفت نحو الحی حتی وجدتنی　　　وجعت من الاصغاء لیتا واخدعا

میں محبوبہ کی نگری کی طرف پلٹ پلٹ اتنی دیر تک دیکھتا رہا کہ گردن کی "لیتا" اور "اخدع" رگ میں درد ہونے لگا۔

الحسین بن مطیر الاسدی کے غزل کے یہ اشعار بھی دیکھیے جس میں شاعر نے اپنی معشوقہ کی یاد کو کس طرح بیان کرتا ہے۔

لقد کنت جلدا قبل ان توقد النوی　　　علی کبدی جمرا بطیا خمودھا

یعنی ہجر و فراق کے میرے دل پر ایسے انگارے جلانے سے پہلے جو بڑی دیر میں بجھتے ہیں، میں بڑا کٹھور اور دلیر تھا۔

قد کنت ارجو ان تموت صبابتی　　　اذا قدمت ایامھا وعھودھا

مجھے توقع تھی کہ محبوبہ کے عہد و پیماں پر جوں جوں زمانہ گذرتا جائے گا میری محبت خود بخود مر جائے گی،

محبوبہ کی تعریف میں کہتا ہے۔

عصر الاعصار ... عقودها   يحسن حارثيتها عقودها

یہ محبوبہ کا گریبان ہے اور اس نے اپنے ہار کو اس سے کہیں زیادہ حسن بخشا ہے
جتنا ہار پہننے سے ملتا ہے۔

اعشیٰ ضعف البصری کے باوجود عورت کو سمجھتا ہے۔ ؎

واستندت ميتا الى نحرها   عاش ولم ينقل الى قابر

یعنی اگر اس کی گردن کسی مردے سے لگا دو تو وہ زندہ ہو جائے گا، اس کو قبرستان
لے جانے کی ضرورت باقی نہیں رہے گی۔

محبوبہ کی تعریف کرتے ہوئے کہتا ہے۔ ؎

غراء فرعاء مصقول عوارضها   تمشي الهوينا كما يمشي الوجي الوحل

یعنی میری محبوبہ سرو قد زہرہ جبیں ہے، اور اس کے دانت سفید اور چمکیلے ہیں وہ
دھیرے دھیرے چلتی ہے جیسے کہ کوئی آدمی کیچڑ میں چل رہا ہو اور قدم قدم سنبھال
سنبھال کر رکھ رہا ہو۔

كأن مشيتها من بيت جارتها   مر السحابة لا ريث ولا عجل

اور جب وہ اپنے پڑوسن کے گھر سے واپس جاتی ہے تو اس کی چال ایسی لگتی ہے
جیسے کہ بدلی ہوتی ہو (نہ آہستہ نہ تیز)

إذا تقوم يضوع المسك أصورة   والزنبق الورد من أردانها شمل

اور جب وہ کھڑی ہوتی ہے تو ساری فضا اس کی خوشبو سے معطر اور عنبر ہو جاتی ہے۔

بالکل یہی ترجمانی امرؤالقیس نے بھی اپنے ایک شعر میں کی ہے۔ ؎

إذا قامتا تضوع المسك منهما   نسيم الصبا جاءت بريا القرنفل

جب وہ (ام الحویرث اور ام الرباب) کھڑی ہوتی اور چلتی تھیں تو مشک کی لپٹیں
ان سے ایسی نکلتی تھیں جیسے پروا ہوا لونگ کی خوشبو لائے۔